ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

جوگندرپال کا افسانہ: اساطیری بیانیہ

THE SHORT STORY OF JOGANDERPAL: A MYTHOLOGICAL NARRATION

Dr. Nazia Younis
Assistant Professor Urdu Department, National University of Modern Languages Islamabad
Uzma Noreen
Lecturer G.C Women University Sialkot

Abstract
In many of Jogander Pal's stories, there is a eloquent attempt to understand man and his psychology as well as the problems of the present day through mythology, mythology and narrative mythology. In 'Ifrit', Jogander Pal has presented artistic examples of the re-formation of mythological desires. When you read Jogander Pal's fairy tale 'Ifrit', you will realize that the remote control of humans is no longer in the hands of God. Women and men seem to be free from this remote control. The scales of justice are in the hands of thieves and robbers and a kind of spiritual vacuum has been created. Spirituality has migrated from the cities, to which we can now give a new life only through mythology and religious tolerance. The hero of this story by Jogander Pal is a nominal hero, his wife roams around with her lover only after him. The hero is busy looking at the accounts of his hotel. In the meantime, a child is born, he is the son of this lover. He is sad, but in the end he accepts him as his own son. When this child goes to the Ramlila Ground to watch the burning of "Raavan" with his father, at that time his father has not only become the owner of the hotel but also an agent supplying weapons. Joginder Pal has chosen the character from the mythological characters whose opposite automatically comes to our mind, namely 'Raavan', whose opposite is Ram. It is as if he has made both of them a symbol. This symbol has become a part of the psyche and collective memory of every individual in our civilized life, which we can also call an archetypal figure, i.e. the collective unconscious.

Key Words: *Asateeri Bayaniah" (Mythical Narrative) blends myth and reality to explore the deeper layers of human existence and social consciousness.*

جوگندرپال اردو کے زود نویس فکشن نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کے قلم نے ناول، افسانہ، افسانچہ اور کچھ تراجم چاروں میدانوں میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ ان کی تخلیقات میں سینکڑوں افسانے، درجنوں ناول اور قابلِ ذکر افسانچے اور تراجم شامل ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ "دھرتی کا لال"، "میں کیوں سوچوں"، "رسائی"، "مٹی کا ادراک" "لیکن، "بے محاورہ"، "بے ارادہ"، "کھلا"، "ایک بوند لہو"، "کنود بابا کا مقبرہ"، "بستیاں"، "سلوٹیں"، "کتھا نگر"، "پرندے"، "رحمان بابو" اور "عفریت" شامل ہیں۔ ان کی پیدائش کا سال ۱۹۲۵ء اور تاریخ وفات ۲۰۱۶ء ہے۔ انھوں نے کئی ایک ادبی تحریکات کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ رومانیت سے لے کر ترقی پسندی تک ہر ادبی رجحان کے ساتھ وابستہ رہے۔ البتہ ان کی ترقی پسند تحریک کے ساتھ وابستگی طویل عرصہ تک رہی۔ وہ اپنے علامتی اور استعاراتی اسلوب کی وجہ سے ہمیشہ اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں تہذیبی و تمدنی مطالعات بھی ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں اساطیری بیانیہ بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی کی وجہ سے ان کے ہاں حقیقت نگاری اپنے پورے جوبن پر نظر آتی ہے اور یہی ایک تخلیق کار کے ہاں لازمی ہونا چاہیئے کہ وہ حقیقت پسندی کو بھول نہ جائے۔ ان کے افسانے "عفریت" میں انھوں نے اساطیری بیانیہ اپنا کر "دسہرے کی رسم" کو بنیاد بنایا ہے۔ افسانے کا زیادہ تر حصہ باپ اور بیٹے کے درمیان مکالمات پر مشتمل ہے جس میں بیٹا باپ سے دسہرے کے وقت رام لیلا اور راون کے

بارے میں مختلف قسم کے سوالات کر کے اپنی تشفی کرنا چاہتا ہے۔ افسانے کا اصل مقصد معاشرے میں پھیلی بد عنوانی اور اخلاقی تنزلی کا قلع قمع کرنا ہے۔ دیگر یہ کہ افسانہ نگار نے اساطیری عناصر کا سہارا لے کر انسانی عادات و خصائل پر طنز کیا ہے۔ افسانے کے کردار "موہت" (بیٹا) اور اُس کا باپ ہیں۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"کیا کیسے ہو سکتا ہے موہت؟"
یہی کہ راون کے دس سر تھے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے سمجھاؤں، مگر میں اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ ایک ہی شخص دس سروں سے سوچ کر کس فیصلے پر پہنچتا ہے تو یہی ہوتا ہے جو راون سے ہوا۔"(۱)

جب موہت مختلف قسم کے سوالات کرتا ہے تو اس کا باپ اپنی سوچ کے مطابق جوابات دیتا ہے۔ مثلاً اوپر کے اقتباس میں موہت، راون کے دس سروں کے متعلق پوچھتا ہے کہ یہ دس سر کیوں تھے، مگر باپ خود سوچنے لگتا کہ اس کو کیا جواب دوں؟ اس طرح اُس نے خود کو سمجھایا کہ بچے کو ایسے جواب دیے جائیں کہ وہ مطمئن بھی ہو جائے اور بات اُس کے ذہن میں ایسے بیٹھ جائے کہ وہ بعد میں میرے مصلحت آمیز جھوٹ کو پکڑ بھی نہ سکے۔ ایسا کثر ہو جاتا ہے کہ بچے اچانک ہی اپنے باپ یا دیگر بزرگوں سے ایسے سوال کر دیتے ہیں کہ اگر اس سوال کا جواب نہ دیا جائے تو بچے بد دل ہو سکتے ہیں۔ ان کو ایسے جواب دیے جاتے ہیں کہ وہ بہل بھی جائیں اور دیگر یہ کہ ان کی تشفی بھی ہو سکے۔ اس طرح چھوٹے بچوں کو بزرگوں کی غلطیوں سے بے خبر رکھا جائے تو بہتر ہوتا ہے کیوں کہ ان پر غلط اثر پڑتا ہے۔

جب باپ، بیٹے کو دس سروں کے جواب دیتا ہے تو یہاں دس سروں سے مراد برائی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ یعنی اگر کسی کے دس سر ہیں تو وہ واقعی میں شیطانی سوچ کا حامل ہو گا۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ ہم بچوں کو اپنی سوچ کے مطابق جواب دیتے ہیں۔ اس طرح بعد میں جب راون کے ساتھ ساتھ سیتا کا ذکر درمیان میں آجاتا ہے تو یہ بتا دیا جاتا ہے کہ سیتا اپنے رام کو چھوڑ کر خود کو راون کے حوالے کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ راون کی اپنی بیوی بھی کسی اور کے ساتھ چلی گئی ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اپنی اونگھ سے باہر آتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ راون کا بت اپنے دسوں سر ہلا کر میرے سر پر کھڑا قہقہہ لگا رہا ہے یا شاید میں ہی دس متھوں سے پٹاخے چھوڑنے لگا ہوں۔ میں نے ہڑبڑا کر موہت سے پوچھا، کیا راون کو آگ لگا دی گئی ہے بیٹا۔"(۲)

اوپر کے اقتباس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مصنف نے اساطیری عناصر کو موجودہ دور کے بد طینت انسانوں سے تشبیہ دی ہے جو آج کل ہتھیاروں کی غیر قانونی سمگلنگ میں ملوث تھے اور جو موہت کے باپ کا دوست تھا لیکن موہت کا باپ اس سے یہ بات چھپا رہا ہے۔ وہ اسے بتاتا ہے:

"ماں باپ دونوں سارا سارا دن مزے سے اپنے دھندوں گورکھ دھندوں میں الجھے رہے، اور بچے تربیت یافتہ نرسوں کی نگرانی میں اتنے خاموش انہاک سے کھلونوں سے کھیلتے رہے جیسے مہاتما بدھ مکتی اور نروان کے لیے سدھ بدھ کھو بیٹھے ہوں۔"(۳)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف اساطیری استعارات سے کہانی میں مختلف برائیوں اور معاشرتی بد عنوانیوں کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح جوگندر پال نے راون اور سیتا کے قصے کو درمیان میں بیان کر کے جدید دور سے ملا دیا ہے۔ اس علامتی اور اساطیری بیانے سے افسانے میں جان پڑتی ہے:

"پپا، پپا، موہت مجھے بلا رہا ہے، اماں کو ساتھ کیوں نہیں لاتے۔"
"اماں نے بہت راون دیکھے ہیں بیٹے۔"
میں نے یونہی راون کے پتلے کی طرف نگاہ اٹھائی اور نیچے سے اوپر تک اس کے چہروں پر پہنچتے پہنچتے گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ نہ معلوم راون ہر دسہرے پر پچھلے سال سے بڑا کیوں ہو جاتا ہے۔

میرے بچپن میں اس کا پتلا عام انسانی قد سے اونچا نہ تھا۔ اس کے باوجود ہم حیرت سے کہتے تھے،
دیکھو پورے قد کا راون ہے۔، کتنا بڑا ہے۔"(۴)

اس اقتباس میں راون کے قد اور موہت کی ماں کو راون نہ دیکھنے کی بات کی گئی ہے مگر ایسی بات نہیں جو باپ نے جواب میں کی ہے بلکہ موہت کی ماں کے ساتھ موہت کے باپ کا رشتہ بیوی کا نہیں بلکہ اُسے تو موہت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کیا گیا تھ اور بعد میں اس کا باپ اُ کے ساتھ شوہر کا تعلق رکھنے لگا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ موہت کا باپ اُسے حقیقت سے باخبر رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ راون کے قد کی بات کر کے وہ ایک اور جھوٹ بول رہا ہے کہ اس سے موہت کا ذہن بہل جائے گا۔ اس حوالے سے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو جس میں راون کی مہم کا حوالہ دیا ہوا ہے:

"راون کے دسوں چہرے آگ کی روشنی اور تپش میں اتنے حواس باختہ دکھ رہے تھے کہ مجھے
اس پر ترس آنے لگا۔ اسے کیا پڑی تھی کہ اپنے سے طاقتور دشمن کی جورو کو اٹھالے آیا۔ اپنی لنکا
میں وہی کسی سیتا پر نظر ٹھہر الیتا اور اس کے رام کی تنخواہ باندھ کر بڑے آرام سے اسی کو گھر میں
ڈال لیتا۔ اس پر بھی رام راضی نہ ہوتا تو اسے دودھ کے پیسے تنخواہ کے علاوہ ادا کر دیتا۔ دسوں
چہرے کی مونچھوں کے تاؤ تو وہی ممکن ہیں جہاں اپنا سکہ چلتا ہو۔ اپنی حکومت سے باہر تو سچ کا
راون بھی کاغذ کا رہ جاتا ہے۔"(۵)

مذکورہ اقتباس میں مصنف نے راون کی مہم کے بارے میں بات کی ہے۔ راون کے حوالے سے اپنی بات پوری کی گئی ہے۔ اگر راون اپنی سیتا کو چھوڑ دیتا اور اپنے علاقے کی کسی سیتا کو لے آتا تو اچھا ہوتا۔ اس طرح اس کہانی میں مصنف نے راون اور سیتا کے قصے کو کہانی میں بیان کر کے اساطیری فضا بنانے کی کوشش کی ہے۔ جوگندر پال کا اور افسانہ "باشندے" ہے۔ مذکورہ افسانہ تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھا گیا ہے اور اس میں مصنف نے اساطیری رجحانات کو شامل کرتے ہوئے ہندو صنمیات وعقائد کو شامل کر کے ایک اچھوتی فضا بنائی ہے جس میں وہ مختلف مندروں کے بارے میں سوچتا ہے۔ مصنف ۳۶ سال بعد ہندستان سے سیالکوٹ جاتا ہے تو اُس پر ناسٹلجیائی کیفیات آشکارا ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہ ماضی کی بازیافت کے لیے فلیش بیک تکنیک کا بھی استعمال کرتا ہے۔ ایک اقتباس دیکھیں جس میں انھوں نے ماضی کی بازیافت کا انوکھا انداز اپنایا ہے:

"گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی بھیڑوں کے بل کی کھلی سڑک پر جارہی ہے۔ جمال نے سکوت کو
توڑتے ہوئے مجھے بتایا ہے کہ وہ اس علاقے میں رہتا ہے۔
"یہیں ایک کرشن مندر بھی تو تھا؟"
ارے ہاں وہی مندر تو میرا گھر ہے۔
مجھے ذرا عجیب لگا ہے کہ بھگوان کے گھر اب انسان بس گئے ہیں۔ میری نظر میں وہی پرانا مندر
گھسا ہوا ہے اور مجھے وہ تبدیلیاں دکھائی نہیں دے رہی ہیں جو جمال نے اپنی رہائشی ضرورتوں کے
پیش نظر مندر کی عمارت میں کر وار کھی ہیں۔"(۶)

اس افسانے میں ناسٹلجیائی کیفیات کے اثرات کی وجہ سے ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے کہ اس میں پرانی یادوں کے سلسلے ہیں جس میں اس کا ۳۵ سال پرانا بچپن اٹھکیلیاں کرتا نظر آتا ہے۔ اس طرح وہ فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے سے ان یادوں میں پہنچ جاتا ہے تو ایک دلچسپ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔

انسان جہاں پیدا ہوتا ہے وہ جنم بھومی کی اس محبت کو خوشبو کو ہمیشہ اپنی گھٹی میں رکھتا ہے۔ چاہے اُس کی جوانی کے تیس سے پچاس سال یا زیادہ سے زیادہ ساٹھ سال کہیں بھی گزر جائیں لیکن زندگی کے ان آخری ایام میں وہ اپنی اُسی دھرتی کو واپس جانے پر اصرار کرتا ہے جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ وہاں کے کھیت کھلیان، عبادت گاہیں، مندر اور دیگر کھیل کود کے میدان اُسے ہمیشہ بے چین رکھتے ہیں۔ اپنی اُن حسین یادوں کو ناسٹلجیائی کیفیات کے ساتھ بیان کر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

کے گویا اُسے ایک گونہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور یوں اُس کے تخلیقی سفر میں ایک نئے باب کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ اس کے بچپن کی یادوں سے بھی باخبر ہوا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے مصنف ایک اور یاد کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"ڈرائیور کے ساتھ مندر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میری آنکھوں میں وہ گھڑیں لوٹ آئی ہیں جب میں یہاں ہر جنم اشٹمی پر پرشاد لینے آیا کرتا تھا۔ ان دنوں یہاں ہر سال جنم اشٹمی کے موقع پر نصف شب کے بھگوان کرشن کا جنم ہوتا تھا۔ ایک ہی سال میں اپنی پوری کر کے بھگوان اسی گھڑی پھر پیدا ہو جاتا ہے، میں کوئی اور تہوار مناؤں نا مناؤں جنم اشٹم کو بڑی دھوم دھام سے مناتا ہوا اور گا گا کر بھگوان کا پنگھوڑا چھلاتا ہوں اور اس کے بچپن اور بے بسی محسوس کر کے میری ممتا جاگ اٹھتی ہے اور میں بے اختیار چاہنے لگتا ہوں کہ اسے کلجگ کی اگنی سے بچائے رکھوں۔"(۷)

مذکورہ افسانہ فلیش بیک کی تکنیک کے ذریعے ماضی کی یادوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے جس میں ماضی میں وہ جنم اشٹمی کا مقدس تہوار اپنے دوستوں کے ساتھ منایا کرتا تھا۔ اس طرح کلجگ کے ذریعے سے بھی ہندو اساطیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کلجگ کا دور ہندی عقیدے کے مطابق چار لاکھ پینتیس ہزار سال پر مشتمل ہے۔ ان کے مطابق زمانہ گناہوں، برائیوں اور شیطانیت و حیوانیت کا گردانا جاتا ہے۔ اس سے ہندو عقیدے کے ایک ایسے دور کا ذکر کیا جاتا ہے جو لاکھوں سال پہلے موجود تھا۔ ایک اور اقتباس بھی اسی طرح کا ہے:

"اسی حال میں کرشن مورتی رکھی ہوئی تھی۔ وہ وہاں جنگلے میں، ہاں مجھے معلوم ہے میں نے اس جنگلے پر ٹکٹکی باندھ لی ہے۔ ارے وہ اچانک اچھل کر اٹھا ہے میری نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا ہے اور میں اس جنگل کے قریب آ کھڑا ہوں۔ جنگلے کے اندر عین وسط میں کھڑے ہوئے سیمنٹ کے نشان سے معلوم ہوتا ہے کہ مورتی یہیں نصب کی گئی ہو گی۔ مجھے اپنے من میں ایک دم کئی گھنٹیاں بجنے کی صدا سنائی دی ہے اور کرشن بھگوان میری آنکھوں سے نکل کر اپنے استھان پر جا کھڑے ہوئے ہیں۔ بول کرشن بھگوان کی جے۔"(۸)

اوپر کے اقتباس میں بھی ہندو عقائد کے مطابق "بھگوان کی جے" کا نعرہ لگا کر کرشن بھگوان کے ایک جسم سے نکلنے کے بعد دوسرے جسم میں جانے کے عقیدے "آواگون" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح کہانی کار نے ہندو ضمنیات کے مطابق اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کر کے ناسٹلجیائی کیفیت ظاہر کر دی ہے۔

ہندی اساطیر کے حوالے سے یہ اقتباس بھی قابلِ غور ہے:

"کرشن بھگوان پیدا ہو گئے ہیں۔ لو بیٹا پرشاد کھالو۔ کرشن بھگوان پیدا ہوتے ہی جوان ہو گئے ہیں اور بنسری کو ہونٹوں سے لگائے ہوئے اور سانولے بھگوان کی بنسری کی مدھر تان پر مکھن جیسی گوبیاں ناچ رہی ہیں۔

"بھگوان ورندابن چھوڑ چکے ہیں مگر رادھے ایسے ہی ناچتی جا رہی ہے۔"

"ہال تو خالی ہے۔ وہاں سوائے میرے اور بھگوان کے اور کوئی نہیں۔ میں نے پھر بھگوان کی طرف نظر گھمائی ہے۔ بھگوان وہاں جوں کے توں کھڑے ہیں۔ نہیں وہاں نہیں، پیچھے ہٹ کر دیوار سے پیٹھ لگائے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں نہ بنسری ہے، نہ سدرشن چکر، اور سر پے مکٹ ہے اور بازو لٹکے ہو۔ مجھے بھگوان کے اکیلے پن پر ترش آنے لگا ہے۔ بھگوان میں نے بھگوان کو ڈھارس بندھانے کے لیے منہ کھولا ہے۔ بھگوان اچانک اچھل کر سیدھے کھڑے ہو گئے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ارے میری نماز کا وقت نکلتا جارہا ہے، میں نے آنکھیں جھپک کر جو دوبارہ دیکھا ہے تو وہ جا چکے
ہیں۔"(۹)

جوگندر پال کا ایک اور افسانہ "رامائن" بھی اساطیری فضا لیے ہوئے ہے۔ اس میں بھی راون کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی ہندی اساطیری پس منظر کا حامل ایک اقتباس یہ ہے:

"بول شری رامچندر کی جے، بھگوان رام سیتے اور لکھن نے شردھا کے اس ساگر میں اپنی نیا ڈال رکھی ہے اور ساگر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔"

"آج سوریہ استر ہو رہا ہو گا۔ تو راون کی موت واقع ہو جائے گی۔ تم اپنی آنکھوں سے جھوٹ اور کپٹ کے وجود کو دم توڑتے ہوئے دیکھ لیں گے تو ہمیں یقین آجائے گا کہ سچائی ہزاروں لاکھوں برس سے جوں کی توں بلوان اور سندر ہے بوڑھی اور بوسیدہ ہو ہو کر صرف ہماری برائیاں مرتی ہیں۔ ہماری سچائیاں تو امر ہیں بھگوان رام امر ہیں۔"(۱۰)

اوپر کے اقتباس میں راون کی برائیاں بیان کر کے مصنف نے اچھائی اور برائی کے فلسفے کو بیان کیا ہے جس میں انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ برائی چاہے جیسی بھی ہو آخر میں نیکی کے ہاتھوں ختم ہو جائے گی۔ یعنی راون کے چاہے دس سر ہوں یا پانچ مگر وہ نیکی کے ہاتھوں ہمیشہ شکست کھائے گا اور اس طرح اس افسانے میں مصنف نے خود احتسابی کے نظام کو بیان کر کے یہ بتلادیا ہے کہ ہم نیکی کے نمائندے بن جائیں تو دنیا کا نظام درست ہو جائے گا۔ وہ ایک اور اقتباس میں لکھتے ہیں:

"کھڑے کھڑے بھی آخریوں ہی لگنے لگتا ہے کہ ہم آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور جو کچھ اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں وہ ہم ہی کر رہے ہیں اور ہم ہی اپنے کیے کو دیکھ رہے ہیں۔"(۱۱)

اس اقتباس میں انھوں نے انسان کو رام اور راون دونوں کی نمائندگی کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم برائیاں کر رہے ہیں، یعنی برائی کے نمائندے ہیں تو ہم راون ہیں اور اس طرح ہمارا گٹھ جوڑ شیطانی قوتوں کے ساتھ ہو گا۔ لیکن ہم اگر نیکی کر رہے ہیں اور نیکی کے نمائندوں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ یعنی ہمارا نفس "نفس توامہ ہے "یعنی ہمارا ضمیر ہمیں برائی پر لعن طعن کر رہا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اچھائی کے نمائندے ہیں اور ہم رحمانی قوتوں کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھنے والے ہیں۔ اس طرح اس افسانے میں موجودہ معاشرے کے حساب سے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے کہ نہ آج کا راون سچا ہے، نہ رام اور نہ ہی سیتا پاک باز اور پوتر عورت ہے۔ بلکہ ہر جگہ جھوٹ اور دکھاوا ہے۔ افسانے میں راوی اپنے ایک دوست کا ذکر کرتا ہے کہ اُسے سیتا کی طرح ایک پاک باز بیوی کی خواہش تھی لیکن اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے:

"دوست نے بڑی بے صبری سے اسے بتایا مجھے تمہاری ہی تلاش تھی۔ ایک بھولی پوتر کنیا کی۔ مگر وہ لڑکی ٹھا ٹھا ہنسنے لگی مجھے بے وقوف سمجھتے ہو یا خود آپ بے وقوف ہو؟ بھولی اَن چھوئی؟۔۔۔۔ سچ جاننا چاہتے ہو تو میرے بیوٹیشن نے آج پورے پچاس روپے وصول کر کے اپنے میک اپ کے جادو سے مجھے اَن چھوئی اور کنواری بنا دیا ہے۔"(۱۲)

الغرض جوگندپال کے مذکورہ افسانے میں بھی یہی اساطیری عناصر کی جھلکیوں کے ذریعے سے نیکی اور بدی کے معیارات بتلائے گئے ہیں اور اس طرح ایک انوکھی اور مدھر فضا تخلیق کی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید طارق حسین زیدی، اردو غزل میں ہندو مسلم تہذیب کی عکاسی (غیر مطبوعہ مقالہ)، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۱۹

۲۔ رشید احمد صدیقی، خطبات رشید احمد صدیقی، مکتبہ دنیال، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۳۶۵

۳۔

۴۔ سید طارق حسین زیدی، اردو غزل میں ہندو مسلم تہذیب کی عکاسی، ص ۳۵۔۳۶

۵۔ ایضاً، ص ۳۷

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص ۴۵۔۴۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۔۴۷

۹۔ ایضاً، ص ۵۲۔۵۴۔۵۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۰۔۶۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۶۸، ۶۶۔۷۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۸۴۔۸۷۔۹۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۸۶۔۱۹۲، ۱۹۰۔۱۹۶

۱۵۔ اسد اللہ خان غالب، دیباچہ، گل رعنا، مشمولہ

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۹۸۔۱۹۹۔۲۰۰۔۲۰۳